Scanned by CamScanner

مدارس کا نصاب ونظام

مدارس دینیہ کے اساتذہ، طلبہ اور نصاب سے متعلق حکیم الاسلام
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند کے نصیحت پر مبنی حکیمانہ کلمات

نقل وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب دامت برکاتہم
استاذ حدیث ومفتی جامعہ دار العلوم کراچی

ناشر
مکتبہ دار العلوم کراچی

باہتمام : شرافت علی

طبع جدید : جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق فروری ۲۰۱۸ء

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم کراچی
(احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی)

فون نمبر : 021-35042280

استقبالیہ : 021-35049774-6

ای میل : mdukhi@gmail.com

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ نے ۱۳۹۴ھ مطابق (۱۹۷۴ش) میں برصغیر کے نامور عالم اور خطیب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند قدس سرّہ سے ''البلاغ'' کے لئے ذیل میں درج انٹرویو لیا تھا جو پہلی بار البلاغ کے شمارہ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ (مطابق نومبر ۱۹۹۴ء) میں طبع ہوا۔ اب قند مکرر کے طور پر ایک بار پھر اس کی اشاعت کی جا رہی ہے، پینتالیس سال گذرنے کے باوجود اس میں اساتذہ اور طلبہ کے لئے نصیحت کا بڑا سامان ہے، البتہ اس طباعت میں احقر نے حاشیہ میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ یہ احقر کا اضافہ ہے۔۔۔

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

یکم محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(البلاغ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء کا پیش لفظ)

آج سے بیس سال قبل ۱۳۹۴ھ (مطابق ۱۹۷۴ء) میں جب احقر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ پاک تشریف لائے تو احقر کو بحمد اللہ ان کی خدمت میں حاضری اور محبت کی سعادت میسر آئی، اس موقع پر محترم و مکرم جناب قاری بشیر احمد صاحب (۱)، دام مجدھم کے مکان پر (جو اس زمانہ میں پاک و ہند کے بزرگوں کی اقامت گاہ تھی) حضرت رحمہ اللہ سے مدارس عربیہ کی موجودہ صورتحال پر مجھے ایک انٹرویو ٹیپ کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی، خیال تھا کہ اسے کاغذ پر منتقل کر کے "البلاغ" میں اشاعت کے لئے دوں گا مگر تقدیر خداوندی کہ یہ انٹرویو کاغذ پر منتقل نہ کیا جاسکا، اب بیس سال گزر جانے کے بعد یہ کیسٹ دوبارہ ہاتھ میں آئی اور اسے سننے کا موقعہ ملا تو اس کی اہمیت اور افادیت کا کچھ اندازہ ہوا۔

---

(۱) مدینہ منورہ کے باسی پاکستانی نژاد حضرت قاری بشیر احمد صاحب مدظلہم سابق استاذ جامعہ دار العلوم کراچی، طویل عرصے سے مسجد نبوی میں قرآن کریم کی خدمت کر رہے ہیں فن قراءات کے شائقین آج بھی مسجد نبوی میں بعد نماز مغرب اُن سے یہ فن حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں طلبہ علماء اور ائمہ کرام ان سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور اُن کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ ۱۹۷۴ء میں وہ مسجد نبوی کے باب السلام سے متصل ایک تنگ بازار "سوق القماشہ" کی ایک پُرانی بلڈنگ میں رہا کرتے تھے۔ نچلی منزل اور پہلی منزل ان کے استعمال میں تھی اور دوسری منزل پر حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مقیم تھے۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبوی بند ہو جاتی تو نچلی منزل میں رات کے کھانے کا اجتماع ہوتا جس میں یہ دونوں قابل احترام قاری صاحبان اور حج اور عمرہ کرنے والے حضرات کھانے پر جمع ہوتے۔ بعد نماز عشاء کھانے کی ایسی ہی ایک نشست کے بعد یہ انٹرویو لیا گیا جبکہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ حضرت قاری بشیر احمد صاحب مدظلہم کے گھر مدعو تھے اور چند دوسرے حضرات بھی موجود تھے۔ رحمھم اللہ تعالیٰ جمیعاً۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پوتے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز ہی نہیں بلکہ جملہ اکابرین دیوبند کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے مزاج اور مذاق کے امین بھی تھے، اور تقریباً ساٹھ سال تک وہ دارالعلوم دیوبند جیسی نامور دینی درسگاہ کے مہتمم اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے ہیں (۱)۔ اس لئے مدارس کی صورتحال اور ان سے متعلق اصلاحی تدابیر پر حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی رائے گرامی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اور بیس سال کی مدت گزرنے کے باوجود اس انٹرویو کی تازگی، نافعیت، اور شفاء بخشی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا بلکہ مدارس کی موجودہ فضا میں اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اس انٹرویو کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے وقت تحریری انداز اختیار کرنے کے بجائے کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان حضرتؒ کے الفاظ اور فقرے بعینہ نقل ہوں تاکہ ان کے مفہوم اور تاثر میں کوئی فرق نہ آنے پائے، امید ہے کہ متعلقہ حلقوں میں اسے پوری توجہ سے پڑھا جائے گا۔ اور اساتذہ و تلامذہ اس کی روشنی میں اپنے لئے لائحہ عمل طے کرسکیں گے۔ واللہ الموفق،

احقر محمود اشرف عثمانی

۱۴۱۵/۵/۵ھ

(۱) حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ سرہ سے ہمیں ۱۹۶۹ء میں دورۂ حدیث کے دوران مؤطا امام مالک کا ایک سبق پڑھنے اور اسانید حدیث کی اجازت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے جبکہ وہ جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے اور دورۂ حدیث کے طلبہ کی درخواست پر یہ سبق پڑھایا۔ بعد میں حضرت قدس سرہ کی احقر پر ایسی ہی شفقت رہی جیسے دادا کی پوتے پر۔ اسی شفقت کی بناء پر حضرتؒ نے اس ناچیز کے سوالوں کا جواب عطا فرمایا۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال کیا جناب مدارس کی موجودہ صورتحال سے مطمئن ہیں؟

جواب جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ بالکل قابل اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علماء تیار ہوئے، جزوی ترمیم اور تغیر البتہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے، آئندہ بھی ہوتا رہے گا البتہ اصول وہی ہیں جو نہیں بدل سکتے، جیسے صحاح ستہ، قرآن کی تعلیم، باقی جتنے فنون آلیہ ہیں، مبادی ہیں ان میں جزوی طور پر تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے، نوعی طور پر نصاب وہی باقی رہا، اس لئے جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابل اطمینان ہے۔

دوسری چیز ہے اصل میں طریقہ تعلیم، وہ تھوڑا سا بدل گیا ہے، اور میں سمجھ رہا ہوں کہ اس کا اثر استعدادوں پر اچھا نہیں پڑ رہا ہے، وہ یہ کہ قدیم زمانہ کے حضرات اساتذہ ایجاز اور اختصار کے ساتھ نفس مطلب عبارت پر منطبق کر کے دلوں میں ایسا ڈال دیتے تھے کہ کتاب ذہن نشین ہو جاتی تھی، اور جب طالب علم نے کتاب دیکھی، مطلب سامنے آ گیا، اب لوگ اس مسئلہ کو حیلہ بنا کے اپنی معلومات پیش کرتے ہیں لمبی لمبی تقریریں، اس سے استعداد خراب ہوتی ہے، ایک تو یہ فرق پڑ رہا ہے جس سے استعدادیں کمزور ہو رہی ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ جب سے یہ عوامیت کے نام پر جمہوریت چلی اس میں سارے عوام الناس آزاد ہو گئے، طلباء بھی بہر حال جوان ہیں، لڑکے ہیں ان پر بھی اثر پڑا، وہ جو عوام کا یا خوردوں (چھوٹوں) کا بزرگوں سے ربط تھا اس میں کمی ہو گئی، اس سے علمی قوت میں کمی ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی چیز یہ ہے کہ خورد کا یا تلمیذ کا تعلق استاذ سے قوی ہو، اس میں ادب بھی ہو، تعظیم بھی ہو، اعتماد کامل بھی ہو، اس میں جتنی کمی پڑے گی استعداد میں اتنی ہی کمی پڑے گی۔

تو موجودہ حالات کی وجہ سے ایک اخلاقی کمی ہو رہی ہے، اور ایک طرز تعلیم کے بدلنے سے نفس تعلیم (اصل تعلیم) میں کمی ہو رہی ہے تو اس کا استعدادوں پر خراب اثر پڑ رہا ہے، باقی جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ بحمد اللہ قابل اطمینان ہے، اور مدارس عامہ میں جو بڑے مدارس ہیں ان میں اساتذہ بھی ذی استعداد ہیں اور چھوٹے مدارس میں تو ہر طرح کے ہوتے ہیں۔

سوال بعض حلقوں کی جانب سے کہا جا رہا ہے کہ مدارس کے نصاب میں جدید علوم کو بھی شامل کیا جانا چاہئے اس کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے اور ہم نے اس پر عملدرآمد بھی کر لیا ہے، جدید قسم کے جو علوم و فنون جن سے عقائد کے اوپر اثر پڑ رہا ہے۔ خواہ وہ غلط فہمیوں کی وجہ سے پڑے مگر پڑ رہا ہے۔ جیسے مبادیات سائنس ہیں، فلسفہ جدید ہے، ہیئت جدیدہ ہے، اس کو لوگ ذریعہ بناتے ہیں دینیات کی تردید کا، حالانکہ وہ ذریعہ ہیں تقویت دین کا، سائنس جتنی بڑھے گی میں سمجھتا ہوں اسلام کو اتنی تقویت ملے گی، اس لئے کہ اسلام نے عقائد و نظریات کے لحاظ سے جو دعوے کئے ہیں ان کے دلائل سائنس مہیا کر رہی ہے، تو دعویٰ ہم کرتے ہیں مگر دلائل وہ لوگ مہیا کرتے ہیں جو اس کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھ سے دلائل مہیا کرتے ہیں۔ اس لئے سائنس منافی تو کیا ہوئی معین و مددگار ہے۔۔۔۔ خرابی ہے درحقیقت ماحول کی کیونکہ اس کے پڑھانے والے وہ ہیں جو غلط نظریات اور غلط فکر لئے ہوئے اس لئے ان فنون کا اثر برا پڑتا ہے، لیکن اگر صحیح پڑھانے والے ہوں تو وہی ذریعہ بن جائیں گے تقویت دین کا[1]۔۔۔۔ آخر یہ قدیم فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی پڑھاتے ہیں اس کا برا اثر کیوں نہیں پڑا اور موجودہ فنون کا کیوں پڑ رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پڑھانے والے وہ ہیں کہ دین ان میں پہلے سے راسخ ہوتا ہے اس لئے عقائد پر ذرا برا اثر نہیں پڑتا

---

(۱) احقر نے یہی بات اپنے دادا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے سنی ہے کہ اگر استاذ درست نہ ہو تو وہ نور الایضاح سے بھی طلبہ کا ذہن بگاڑ دے گا اور اگر استاذ درست ہو تو وہ عصری مضامین سے بھی علم اور تقویٰ پیدا کر دے گا ۱۲

اور موجودہ زمانے میں عموماً پڑھانے والے وہ ہیں کہ نہ ان کی اخلاقی حالت درست نہ ماحول درست اس کا اثر یہ پڑتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ علم کا اثر برا ہے، حالانکہ وہ دراصل عالم کا اثر ہے جو برا پڑ رہا ہے ورنہ اسلام میں تنگی نہیں، اسلام نے تو ہر علم وفن کی تحقیق کی اجازت دی ہے سوائے مخصوص چند علوم کے کہ جن سے روکا ہے کیونکہ وہ علوم نافع نہیں ہیں۔

عام طور سے فرمایا ہے کہ: کلمة الحکمة ضالة الحکیم حیث وجدها فھو احق بھا.

(کہ حکمت کی بات دانا کی گمشدہ چیز ہے، جب وہ اسے پالے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) ان جیسی روایتوں نے بتلایا ہے کہ علم بہر حال جہل سے بہتر ہے، سوائے ان علوم کے کہ جو مضر ہیں کہ ان کا عام علم ہی رکھنا فضول ہے کیونکہ وہ فی الحقیقت ضائع ہیں۔

تو علم کسی فن کا بھی ہو وہ برا اثر نہیں ڈالتا، ہاں معلم کا اثر پڑتا ہے، معلم اگر صاحب قال، صاحب حال، صاحب اخلاق ہے تو اسی سے اخلاق پیدا کردے گا اور اگر خود بد اخلاق ہے، بدفکر ہے تو وہ قرآن وحدیث سے بھی بدفکری ذہن میں ڈالے گا، اس لئے نئے علوم میں سے اگر اس حد تک لئے جائیں کہ جس حد تک وہ معین بنتے ہوں دین کے حق میں، یا جو ذریعہ بنے ہوئے ہیں دین پر اعتراضات کے جواب کا تو میں اصولی طور پر سمجھتا ہوں کہ انہیں ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

سوال حضرت! ابھی آپ نے طلباء کی اخلاقی حالت کا ذکر فرمایا ہے تو ہم یہ بات اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ مدرسہ اور خانقاہ کوئی علیحدہ علیحدہ چیز نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک ہی چیز ہے، مدرسہ خانقاہ بھی ہوتا تھا، طلباء کو تعلیمی طور پر بھی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اخلاق بھی درست کئے جاتے تھے تو اب یہ صورتحال کیوں بدل گئی اور اس کی صلاح کی کیا تدابیر ہیں؟

جواب یہ چیز بالکل صحیح ہے کہ قدیم زمانہ میں مدرسہ ہی خانقاہ ہوتا تھا جس کے اوپر تعلیم کا پردہ تھا، نام تو نہیں آتا تھا کہ ہم تصوف سکھا رہے ہیں یا طریقت سکھا رہے ہیں لیکن ان بزرگوں کا طرز عمل، ان کا کردار، کیرکٹر وہ تھا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر خود بخود اخلاق

درست ہو جاتے تھے تو اب ظاہر بات ہے کہ کچھ تو اساتذہ میں بھی کمی ہے، اور کمی کی بناء جو کچھ بھی ہو، مگر صورتحال یہ ہے کہ عام طور پر اساتذہ کی تکمیل اور تزکیہ اخلاق کی طرف توجہ نہیں ہے۔ جتنے نئے اساتذہ ہیں ان کی توجہ ادھر نہیں ہے۔

سوال حضرت کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ اور طلباء کے درمیان اب ربط نہیں رہا؟

جواب میں تو سمجھتا ہوں کہ فتن اس کی بنیاد ہیں، حالات اتنے بگڑ چکے ہیں اور مزاج اتنے فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ جو ایک رجحان اور ایک عقیدت اور ایک محبت اساتذہ سے ہوتی تھی وہ نہیں ہے کچھ تو حالات کا اثر ہے۔

اور مثل مشہور ہے " کچھ لوہا کھوٹا، کچھ لوہار کھوٹا " کمی تھوڑی بہت اساتذہ میں بھی آئی ہے، ان کو جس درجہ کا معیاری ہونا چاہئے، نئے اساتذہ میں وہ چیز کم ہے، تو طلباء پر اثر پڑنا لازمی ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اساتذہ چند سالوں کے بعد پرانے بن کر کسی اونچے مقام پر پہنچ جائیں لیکن ابتدائی حالت اساتذہ کی، نوجوان اساتذہ کی وہ نہیں ہے جو ان کے اساتذہ کی تھی۔

ہم لوگوں نے تعلیم پائی، اس وقت اساتذہ علمی اعتبار سے بھی معیاری تھے اور تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے بھی معیاری تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا انور شاہ کشمیریؒ) پر اتباع سنت کا اتنا غلبہ تھا کہ ان کے طرز کو دیکھ کر ہم مسئلہ معلوم کر لیتے تھے، اور وہی مسئلہ نکلتا تھا جو ان کا طرز عمل تھا، اس درجہ گویا وہ منہمک تھے، اور ہمہ وقت انہیں فکر آخرت ضرور رہتا تھا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دوپہر کو چھوٹی مسجد میں آ کے قیلولہ کرتے تھے تو عموماً گھٹنے پیٹ میں دے کے لیٹا کرتے تھے، یعنی سکڑ کے، یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ پیر پھیلا کے لیٹے ہوں، تو میرے خسر مولوی محمود صاحب رامپوری مرحوم، طالب علمی کے زمانہ میں مفتی صاحب کے ساتھ چھوٹی مسجد ہی میں رہتے تھے، تو ابتداء میں وہ یہ سمجھے کہ امر اتفاقی ہے، لیکن جب دیکھا کہ عادت ہی یہ ہے تو انہوں نے ایک دن پوچھا کہ کہ آپ پیر پھیلا کے کبھی نہیں سوتے؟ فرمایا کہ "بھائی پیر پھیلا کے سونے کی جگہ قبر ہے، دنیا نہیں"

۔۔۔۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اوپر ہر وقت فکر آخرت سوار تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہی کا واقعہ ہے، جلالین شریف، ہم نے ان کے یہاں پڑھی، آیت یہ آئی کہ ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے سعی کی ہے، یہ نہیں کہ کسی غیر کی سعی اس کے کام آجائے۔۔۔ادھر تو یہ آیت اور ادھر روایت میں ایصال ثواب ثابت، جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی سعی کام آگئی، اب آیت اور روایت میں ایک قسم کا تعارض، جب یہ آیت پہنچی تو حضرت مفتی صاحب نے کتاب میں مثبت پہلو میں مطلب سمجھا دیا اور بعد میں یہ فرمایا کہ میں اس میں الجھا ہوا ہوں اور ابھی رفع تعارض کی صورت سمجھ میں نہیں آئی کہ حدیث بتلاتی ہے کہ دوسرے کی سعی کارآمد ہے اور آیت بتلاتی ہے کہ قطعاً کارآمد نہیں، تو فرماتے تھے کہ کتابیں دیکھیں، رجوع کیا کتابوں کی طرف، مگر تشفی نہیں ہوئی۔ گھر تشریف لائے، رات کا وقت، گرمی کا زمانہ، چارپائی پر لیٹے تو خیال یہ بندھ گیا کہ تجھے ایک آیت میں شک ہے، اگر اسی حالت میں موت آگئی تو آیت خداوندی میں شک لے کر جائے گا تو تیرا ایمان کہاں رہے گا؟ یہ تو "ریب" (شک) کی کیفیت ہے۔ بس یہ جذبہ آنا تھا کہ اسی وقت کھڑے ہوگئے۔ اور پیدل سفر شروع کر دیا گنگوہ کا کہ حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ) کے پاس جا کر تحقیق کروں گا، تو پہلا جذبہ تو اس سے معلوم ہوا فکر آخرت کا کہ وہ (اس علم کو) محض ریسرچ یا تحقیق نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی آخرت سمجھتے تھے، جب آیت میں ایک قسم کا شک ہے تو وہ ریب ہوا، اور ایمان میں اگر ذرا سا بھی عیب ہو تو ایمان کی بقاء مشکل ہے۔ یہ جذبہ تھا اصل میں، محض علمی تحقیقات نہیں تھیں، پیدل سفر کر لیا گنگوہ کا ساری رات چلتے رہے، حالانکہ عادت نہیں تھی پیدل سفر کرنے کی، آخر شب میں گنگوہ پہنچے، صبح کی نماز کا وقت تھا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وضوء فرما رہے تھے، انہوں نے سلام کیا، فرمایا کون؟ عرض کیا کہ عزیز الرحمٰن فرمایا کہ اس وقت! کیا رات آئے تھے؟ کہا کہ رات بھر سفر کیا بس ابھی پہنچا ہوں، فرمایا ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی جو ساری رات سفر کیا، انہوں نے کھڑے کھڑے وہ اشکال پیش کر دیا کہ حضرت یہ ایک اشکال ہے کہ آیت میں نفی ہے کہ کسی کی سعی کسی کے کام نہیں آئے گی، اور احادیث میں اثبات ہے کہ ایک کا عمل

دوسرے کے کام آجائے گا ایصال ثواب کی صورت میں، یہ تعارض رفع نہیں ہو رہا۔۔۔
حضرت گنگوہیؒ نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا کہ ﴿ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّامَاسَعٰی﴾ میں سعی ایمانی مراد ہے۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے لئے نجات کا ذریعہ نہیں بنے گا، عمل کی نفی نہیں، تو حدیث ثابت کر رہی ہے عمل کو کہ عمل کا فائدہ پہنچے گا اور آیت نفی کر رہی ہے سعی ایمانی کی کہ ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا اس میں کوئی تعارض نہیں تو یہاں ایمان مراد ہے، وہاں عمل مراد ہے، آیت میں جس چیز کی نفی کی جا رہی ہے حدیث میں اس کا اثبات نہیں اور حدیث جسے ثابت کر رہی ہے قرآن میں اس کی نفی نہیں ہے تو تعارض کہاں سے آگیا؟ تو مفتی صاحب یہ کہتے تھے کہ کھڑے کھڑے یہ معلوم ہوا کہ جیسے ایک علم کا دریا میرے اندر سے پھوٹ گیا۔ تو یہ غزیر (وسیع) اور گہرا علم تھا ان اکابر کے ایک ایک لفظ میں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت حدیث میں بدعت کی ممانعت فرماتے ہوئے کہا گیا ہے کہ (من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو رد) "جو ہمارے دین میں احداث کرے اور دین کے ذوق کی نہ ہو تو وہ چیز مردود ہے" اس پر کسی نے کہا کہ پھر یہ مدارس بھی مردود ہونے چاہئیں، یہ قرن اول میں کہاں تھے؟ اور یہ مدرسوں کے لئے گھنٹوں کا تعین اور گھنٹا بجانا یہ کہاں تھا؟ اور یہ جماعت بندی (کلاس بندی)، یہ سارے بدعات و محدثات ہیں تو اس حدیث کی رو سے ممنوع ہونے چاہئیں، حضرتؒ نے ایک مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ: احداث فی الدین کی ممانعت ہے، احداث للدین کی ممانعت نہیں"

ان دو لفظوں میں (مسئلہ) کھول دیا، یعنی یہ احداث جو ہے "لتقوية الدين، لإعانة الدين، لنصرة الدين" ہے، عین دین کے اندر اضافہ نہیں ہے، کسی مدرسہ میں صبح کے گھنٹے مقرر ہیں کسی میں شام کے، یہ نہیں ہے کہ اس کو دین سمجھ رہے ہیں کہ یہی چار گھنٹے ہونے چاہئیں، دوسرے نہ ہوں، ایک تدبیر ہے، ایک معالجہ ہے، تو احداث للدین اور فی الدین کے فرق سے حضرتؒ نے سارے اشکالات رفع فرما دیئے۔

اسی پر مجھے یاد آیا کہ مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کوئی عرب

ہندوستان پہنچ گئے، تو ہندوستان میں عربوں کی آمد ورفت اس زمانہ میں تھی نہیں، کوئی عرب آ گیا تو لوگ چیلوں کی طرح سے اس کے پیچھے دوڑتے تھے کہ عرب صاحب! عرب صاحب! اور عقیدت محبت سے ہر ممکن مدارات کرتے تھے، ان عرب صاحب کا بھی خیر مقدم ہوا، شافعی تھے، اتفاق سے کسی مسجد میں جہاں سارے جہلاء ہی جمع تھے انہوں نے نماز پڑھی اور رفع یدین کیا جیسے شوافع کرتے ہیں، وہاں سارے جاہل جمع تھے، وہ سمجھے کوئی بد دین ہے اسے نماز پڑھنی نہیں آتی، تو نماز کے بعد تو تو میں میں شروع ہوئی، حتی کہ ان عرب پر ہاتھ ڈالا انہیں پیٹ دیا، اب وہ مہمان تھے، مولانا شہیدؒ کو خبر ہوئی، غصہ آیا، فرمایا کہ اوّل تو زدوکوب! پھر عرب سے آیا ہوا مہمان جو واجب التعظیم ہے۔ حکم دیا کہ آج سے ہماری ساری مسجدوں میں رفع یدین ہوا کرے گا۔ ترک رفع ختم، اب صاحب تمام مسجدوں میں رفع یدین شروع ہو گیا۔ کئی دن گزرے تو کہیں رفع یدین، اور کہیں ترک رفع، ایک عجیب سا فتنہ بپا ہوا (ہنس کر فرمایا) اور حقیقی معنی میں رفع یدین شروع ہو گیا، ہاتھا پائی، مار کٹائی میں بھی رفع یدین ہی ہوتا ہے۔ غرض بہت فتنہ ہوا، تو لوگ گئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس کہ حضرت آپ کے بھتیجے نے بڑا فتنہ برپا کر دیا اور حکم دے دیا ہے کہ ہر مسجد میں رفع یدین ہو گا تو بڑی مصیبت ہو گئی اور فتنہ پھیل گیا ہے آپ انہیں سمجھائیں۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی! اسماعیل کی ذہانت اور ذکاوت سے تم واقف ہو، وہ میرے سے زیر نہیں ہو سکے گا، وہ ذہین اور طباع ہے، میں ایک چیز بیان کروں گا وہ بیس احتمال نکال کر مجھے ہی بند کر دے گا، خود اس کی اصلاح کیا ہو گی، اس کی مناسب صورت یہ ہے کہ خاندان میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی عظمت سب کرتے ہیں، چھوٹے اور بڑے، حالانکہ وہ سب سے چھوٹے بھائی تھے مگر بڑے بھائی بھی ان کے تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے ان کی عظمت کرتے تھے، چالیس برس اعتکاف کیا ہے اکبری مسجد میں، اور سوائے قرآن کے اور کوئی شغل نہیں تھا، اور جس دن ان کی وفات ہوئی ہے تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ پر منکشف ہوا کہ دلی کے سارے قبرستانوں سے آج عذاب قبر اٹھا لیا گیا ہے، ان کی آمد کے احترام میں، تو اس درجہ کے تھے شاہ عبدالقادر صاحبؒ۔

تو شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے لوگوں نے کہا کہ آپ کے بھتیجے نے فتنہ برپا کردیا ہے، کہا ''بلاؤ اسماعیل کو''۔ خیر مولانا اسماعیل شہید حاضر ہوئے فرمایا: میاں اسماعیل تم نے حکم دیا ہے کہ رفع یدین ہوا کرے؟ کہا جی حضرت! فرمایا کیوں؟ کہا حضرت یہ سنت اتنی مردہ ہوچکی تھی کہ اس کے عمل درآمد کرنے پر لوگ پیٹے جانے لگے اور حدیث میں ہے: من أحيا سنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد (جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو زندہ کیا تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا) تو میں نے احیائے سنت کیا ہے، اس درجہ مردہ ہوگئی یہ سنت کہ عمل کرنے پر لوگ مارے پیٹے جانے لگے، اس لئے میں نے حکم دیا کہ یہ سنت زیر عمل آجائے۔۔۔ فرمایا کہ میاں اسماعیل! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ تم نے حدیث کچھ سمجھ کر پڑھی ہوگی، تمہیں تو مس بھی نہیں فہم حدیث سے، کیا یہ مطلب ہے احیاء سنت کا؟ پھر فرمایا کہ احیاء سنت کا مطلب یہ ہے کہ سنت ختم ہوکر بدعت اس کی جگہ لے لے، وہ احیاء سنت ہے جو مائۃ شہید کے برابر ہے، اور یہاں تو سنت کے مقابلہ میں خود سنت موجود ہے، رفع یدین اگر سنت ہے تو ترک رفع بھی سنت ہے، ایک امام ادھر گیا ہوا ہے، ایک ادھر، احیاء سنت کا یہ موقعہ کون سا ہے؟ احیاء سنت وہاں ہے کہ سنت ختم ہو اور بدعت اس کی جگہ آجائے یہاں کون سی بدعت ہے؟۔۔۔ کہا حضرت مجھ سے غلطی ہوئی، پھر ساری مسجدوں میں خود کہتے پھر رہے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، لوگ اسی طرح ترک رفع کے ساتھ نماز پڑھیں۔

تو یہ بات مجھے اس پر یاد آئی تھی کہ ان اکابر کے یہاں لمبی (۱) تقریریں نہیں ہوتی تھیں ایک ایک جملہ سے مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ استعداد نہایت قوی ہو اور استحضار ہو علوم کا، اب محنتیں تو ہیں نہیں، قویٰ بھی ویسے نہیں، استحضار وہ نہیں ہے علوم کا،

---

(۱) لمبی تقریریں تو ہوا میں اڑ جاتی ہیں اور وہ اکثر مغز سے خالی اور طویل مُمل ہوتی ہیں جبکہ خیر الکلام ما قل ودل۔ مختصر بات ہو مگر تحقیق پر مبنی سچی اور شافی ہو تو ایسی مختصر بات زیادہ نافع ہوتی ہے یہی اکابر کا طریق تھا۔ اور یہ سنت نبویہ کے مطابق ہے کہ "اعطيت جوامع الكلم" ۱۲

جو کچھ کتاب میں دیکھا صبح کو بیان کر دیا، وہ نقل اور سردِ روایت (روایت نقل کرنا) ہوتا ہے، وہ جو قلبی کیفیت ہے وہ شامل نہیں ہوتی، اس لئے استعدادوں پر برا اثر پڑا ہوا ہے۔ تو نہ نصاب میں خرابی ہے اور نہ کسی اور چیز میں، بلکہ کچھ طرزِ تعلیم کی، اور کچھ اساتذہ کے ترقی نہ کرنے کی، کہ وہ پڑھ رہے ہیں کہ بس پڑھا دیں گے، پیشہ سا سمجھ لیا ہے، یہ وجہ ہو رہی ہے استعدادوں کی کمی کی۔

اور ادھر طلبہ، کہ ملک کے حالات جمہوریت کے نام پر ایسے ہو گئے کہ وہ جو یکسوئی تھی وہ باطل ہو گئی، ہر طالب علم کو فکر کہ تھوڑا سا سیاسیات میں شریک اور تھوڑا سا اجتماعیات میں۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ "العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک" علم اپنا بعض اس وقت تک نہیں دے گا جب تک تم اپنا کل اسے نہ دے ڈالو، اب تم تو جزو دو اور اس کا کل لینا چاہو تو یہ ہو گا کیسے؟ تو طالب علم کہیں ادھر متوجہ کہیں ادھر، کہیں معاش اور کیا کیا، اسی میں ضمناً اس نے علم کی طرف بھی توجہ کر لی تو استعداد بنے گی کہاں سے؟ (۱)

اس لئے میں نے عرض کیا کہ " کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار کھوٹا" کچھ اساتذہ آگے نہیں بڑھنا چاہتے، کچھ طالب علموں میں محنت کی کمی، اب وہ قصور بتا دیتے ہیں نصاب کا۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب ہمارے استاذ رحمۃ اللہ علیہ بہت مختصر گو تھے، کسی نے ان سے ذکر کیا کہ حضرت نصاب میں کچھ تغیر تبدل ہونا چاہئے، تو جیسے ان کی عادت تھی، ایک لمبی سی "ہوں " کر کے فرمایا: دیکھو تعلیم کے سلسلہ میں تین چیزیں ہیں (۱) اساتذہ (۲) تلامذہ (۳) تیسرا نصاب تعلیم۔ تو اساتذہ کی جماعت تو ہے بڑوں کی جماعت، چھڑی ہاتھ میں ہے، کوئی بولے تو اسی وقت گردن زنی قرار پائے، اور طلباء اس زمانے کے، بھائی وہ بھڑوں کا چھتہ ہیں کوئی انہیں چھیڑے گا تو وہ آ کے لپٹ جائیں گے، آدمی ڈرتا ہے ــــ بس صاحب اب بے چارہ بے زبان نصاب رہ گیا ہے، اسی میں کتر بیونت کرتے رہو۔

---

(۱) اور اب تو موبائل، سوشل میڈیا کے مشاغل نے طلبہ کا کیا، اساتذہ کا بھی کام خراب کر دیا ہے، مستند کتب کا مطالعہ اور کم ہو گیا ہے اور شہرت اور مال کی طلب اس پر مستزاد ہے ۱۲

نصاب میں یہ کمی ہے، یہ کمی ہے۔ (۱)

کمی ہے استاد میں اور طالب علم میں، نصاب میں کمی نہیں ہے، مگر بے زبان چیز ہے، اسی پر سب مشق آزمائی کرتے رہتے ہیں۔تو یہ ہے اصل میں بنیاد۔۔۔ بہرحال کچھ جدید معلومات کی تو ضرورت ہے کہ طلباء نابلد نہ رہیں۔

سوال حضرت! تیسرا سوال یہ تھا کہ محسوس یہ کیا جارہا ہے کہ جو طلباء مدارس سے فارغ ہوتے ہیں ان میں کام کرنے کا وہ جذبہ نہیں جو پہلے موجود ہوتا تھا، باطل سے ٹکرانے، خود اعتمادی اور خود آگے بڑھ کر کام کرنے کی جو صلاحیت تھی وہ اب نظر نہیں آتی، اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب اول تو یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "الناس کابل مائة لاتکاد تجد فیها راحلة " سو اونٹوں کی ایک جماعت ہے دانتوں والے ہیں سارے، مگر سواری کے قابل ایک ہی نکلتا ہے۔تو ان پچاس ہزار طلباء میں یہ تو ناممکن ہے کہ کوئی جوہر قابل نہ ہو، لیکن سو میں سے ایک آدھ نکلے گا تو وہ نہ ہونے کے برابر دکھائی دے گا، تو اب بھی ایسے نکلتے ہیں جو اپنی استعداد پر کام کرتے ہیں، لیکن ہمارے سامنے چونکہ وہ ننانوے ہیں جو اپاہج بن کے پھوہڑ رہتے ہیں تو ان کی قدر و منزلت بھی جاتی رہتی ہے جو کام کرنے والے ہیں مگر ہیں، اگر نہیں ہیں تو اس وقت (دین کا) یہ کام کیسے چل رہا ہے، بحثیں بھی ہیں، مناظرے بھی

---

(۱) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم دیوبند کا یہ پورا مقولہ بہت اہم ہے کہ نہ استاذ کو اپنی محنت اور نور علم کی طرف توجہ ہے نہ طلبہ کو اپنی علمی استعداد بنانے کا شوق ہے سارا الزام بیچارے نصاب پر ڈال دیتے ہیں کیونکہ نصاب بے زبان ہے حالانکہ مدرسوں کے اسی پُرانے نصاب نے ایسے جلیل القدر اور ماہر اساتذہ پیدا کئے جن کے انوار سے دنیا منور ہوئی اور جن کی مہارت کا انکار کرنا مشکل ہے۔اب عربی ادب اور عربی زبان میں مہارت کے لئے کتنی نئی نئی کتابیں شامل کی گئیں مگر حال یہ ہے کہ آج استاذ اور طالب علم کے لئے درسی اور غیر درسی اشعار پڑھنا کارے دارد ہے جبکہ پرانے نصاب پڑھنے والے ہمارے تمام اکابر ورنہ اکثر اکابر خود عربی اشعار اور عربی قصائد کہا کرتے تھے جن کا بڑا ذخیرہ اب بھی محفوظ ہے۔یہی حال علم کلام، علم بلاغت اور دوسرے فنون کا ہے۔ اور قرآن وحدیث میں اکابر کی مہارت تو پوری دنیا میں مسلّم ہے۔۔۔ گویا اصل مسئلہ نصاب کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ استاذ کی محنت اور استعداد کی کمی اور طلبہ کی بے توجہی اور نالائقی کا ہے۔

ہیں، باطل پرستوں کا مقابلہ بھی ہے، لوگ کام کر رہے ہیں، اور اس میں نوجوان بھی کرنے والے ہیں، مگر بہت کم ہیں، گنے چنے۔

زیادہ تر اس کی بناء یہ ہے کہ معاشی حالات ایسے کمزور ہو چکے ہیں کہ طالب علم کو پڑھنے کے زمانے میں فکر یہ ہے کہ جلدی سے پڑھوں تا کہ گھر کا بندوبست کر سکوں، باپ ضعیف ہو گیا، ماں کا انتقال ہو گیا، فلاں گزر گیا، چار پیسے کماؤں تو بچوں کو کھلاؤں، فکر تو یہ رہتی ہے تو وہ ترقی کہاں سے کرے؟ اکثر و بیشتر اسی میں مبتلا ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مدارس میں آنے والے بلند فکر کم ہیں، زیادہ تر وہ ہیں جن کی فکر کی حالتیں پست ہیں، انہوں نے دیکھا کہ روٹیاں ادھر بھی ملتی ہیں، آٹھ نو برس یہاں کچھ مل جائے گا، وہ نصاب پر عبور تو کر لیتے ہیں مگر جتنی دماغ کی افتاد ہے، ساخت ہے، اس سے باہر تو نہیں جا سکتے، وہ جوان کی پست فکری ہے وہ علم کو بھی پست بنا دیتی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں بتلاؤں کہ اس علم کی ذلت کا کون سا وقت ہوگا؟ عرض کیا گیا فرمائیے، فرمایا کہ جب اراذل ناس اس کو حاصل کرنے لگیں جو خود پست ہیں اور پست فکر ہیں، وہ جب عمل کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کی پستی علم میں نمایاں ہوگی اور علم بھی پست نظر آئے گا، ورنہ بلند فکر اور اونچے طبقہ کے لوگ اگر علم حاصل کریں تو وہ آج بھی وہ کام کریں گے جو پچھلے کرتے تھے۔ (۱)

سوال حضرت! جو بلند فکر ہیں اور اچھی سمجھ والے ہیں اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنے بچوں کو ادھر نہیں بھیجتے، ان طلباء کو حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب بات یہ ہے کہ دنیا غالب آچکی ہے، پہلے فکر آخرت غالب تھی (۲)، اب جو

(۱) یہ بات بھی فطری اور طبعی ہے کہ اگر ذہن پست ہو تو آدمی علم کو بھی پستی کی طرف لے جاتا ہے اور اگر ہمت عالی اور فکر وسیع ہو تو وہ علم کو سر بلند کرتا ہے۔

(۲) احقر کو اپنے جلیل القدر استاذ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرّہ کی بات یاد ہے جو انہوں نے صحیح بخاری کے درس کے دوران ارشاد فرمائی تھی کہ "اچھا مولوی صاحب! اب تو لغات ہی بدل گئے ہیں۔ ہمارے بڑے جب ہمیں کہتے تھے کہ میاں مستقبل کی فکر کرو تو اس کا مطلب آخرت کی فکر کرنا ہوتا تھا۔ اور اب جب لوگ کہتے ہیں کہ میاں مستقبل کا خیال کرو تو اس سے مراد پیسہ اور دولت کی فکر ہوتی ہے۔ اچھا صاحب! لغت ہی بدل گئی۔"

بلند فکر ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ حکومت میں کرسی ملے، ملازمت ملے، عہدہ ملے، وہ سارے اُدھر متوجہ ہیں، اِدھر آتے ہیں کم، اِدھر وہ لوگ آتے ہیں جو اُدھر کی استعداد نہیں رکھتے انہوں نے سوچا کہ چلو دین ہی کی استعداد بناؤ، مدارس میں تو بھائی دین ہے، جو آئے گا ہم سکھا دیں گے، وہ جس درجہ کا بھی ہو، لیکن سلف کے زمانے میں پرکھتے تھے کہ اسے کس علم جیسے مناسبت ہے، جس فن سے مناسبت ہوتی تھی اسی میں ترقی دیتے تھے تو وہ طبعی رفتار بھی ہوتی تھی، اس لئے اس علم وفن کے اندر وہ ماہر ہو جاتے تھے۔

میں جب افغانستان گیا تو سردار نعیم وزیر معارف (تعلیم) تھے، انہوں نے مجھ سے یہ شکایت کی کہ صاحب ہم نے یہ کیا، ہم نے وہ کیا مگر ہماری تمنائیں پوری نہیں ہوتیں، میں نے کہا صاحب وہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کسی عالم دین کو وزیر خارجہ بنائیں وزیر داخلہ بنائیں، وہ چلتا نہیں، میں نے کہا کہ اس کا جواب تو میں بعد میں دوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی۔۔۔ میں نے جواب میں دوسری لائن اختیار کی ورنہ سیدھا جواب یہ تھا کہ بھائی آج کل کی سیاست تو مستقل فن ہے جو اسے حاصل کرے گا وہ چلے گا، اگر کوئی محدث فقیہ ہے مگر موجودہ سیاست کے رنگ سے واقف نہیں تو وہ نہیں چلے گا مگر میں نے یہ جواب اختیار نہیں کیا۔۔۔ میں نے کہا آپ کی یہ تمنا میرے خیال میں کبھی پوری نہیں ہوگی۔" کیوں؟" میں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جو افغانستان سے طلباء بھیجتے ہیں وہ معلوم نہیں کون سے جنگل سے پکڑ کے بھیجتے ہیں، گٹھل دماغ کے، کہ دس برس چاہئیں ان کا ذہن بدلنے کے لئے، پھر دس برس چاہئیں انہیں پڑھانے کے لئے، اگر آپ وزارت کے خاندان، شاہی خاندان اور شاہی کنبہ کے افراد بھیجتے تو ہم آپ کو دکھلاتے کہ علم کیا چیز ہے؟ اب آپ نے جنگل سے پکڑ کر بھیج دیئے جنگلی اور پہاڑی لوگ،

ان پر علم کیا اثر کرے گا؟ صدر عالم کہنے لگے جناب مولانا حق می فرمائید، حق می فرمائید۔

اس کے بعد میں نے کہا میں، مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مفتی کفایت اللہ

صاحب کیسے ہیں آپ کی نظر میں؟ کہنے لگے نہایت بلند فکر اور ہندوستان میں انہوں نے وہ وہ کام کیا، میں نے کہا کہ وہ دارالعلوم کے فاضل ہیں کسی یونیورسٹی سے گریجویٹ نہیں۔۔۔ میں نے کہا کہ مولانا حسین احمد صاحب کیسے ہیں؟ کہنے لگے سبحان اللہ بہت اونچا مقام ہے، میں نے کہا دارالعلوم کے طالب علم ہیں کسی یونیورسٹی کے فاضل نہیں۔۔۔مولانا شبیر احمد صاحب جو پاکستان چلے گئے؟ کہنے لگے نہایت بلند فکر، میں نے کہا وہ کسی یونیورسٹی کے گریجویٹ نہیں، میں نے دس بیس نام گنوادیئے تو میں نے کہا کہ یہ لوگ بلند فکر تھے تو علم نے ان کی فکر کو اور زیادہ بلند کر دیا، تو علم کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا، جو پیدا شدہ چیزیں ہیں انہیں اجاگر کر دیتا ہے(۱)۔۔۔اب اگر کسی(۲) میں پستیاں ہی بھری ہوئی ہوں وہ اجاگر ہو جائیں گی، بلندیاں بھری ہوئی ہوں وہ اجاگر ہو جائیں گی، علم کوئی نئی چیز نہیں پیدا کرے گا تو صدر عالم نے کہا بالکل حق بات ہے، اور اس کے بعد کہنے لگے کہ اب ہم وعدہ کرتے ہیں کہ شاہی گروپ اور وزارتی گروپ کے ہر سال گیارہ طلباء بھیجیں گے، میں نے کہا پھر ہم آپ کو دکھلائیں گے کہ ان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ مگر مجھے اب فکر یہ ہوئی کہ وہ جو شاہی خاندان کے طلبہ آئیں گے ان کی خادمی کون کرے گا؟ ان کا تمدن ان کی معاشرت علیحدہ اور یہاں غریب طلباء کی جگہ ہے تو ان کی مہمانداری کے لئے سینکڑوں روپیہ چاہئے، کوئی وزیر کا بیٹا ہوگا کوئی بادشاہ کا بیٹا۔۔۔

یہ فکر پڑی تو میں نے یہ فقرہ کہا کہ ہم ان کو اپنے خرچ پر تعلیم دیں گے؟ کہنے لگے نہیں

(۱) احقر کو یاد ہے کہ حضرت قاری صاحب قدس سرّہ نے اسی مجلس میں یا کسی دوسری مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ علم تو نور ہے، روشنی ہے اور نور کا کام اچھائی برائی پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ جو اچھائی یا برائی ہوا سے ظاہر کر دینا ہے۔ جیسے کمرہ میں جب تک روشنی نہ ہو تو کچھ نظر نہیں آتا لیکن جب روشنی کر دی جائے تو اچھی یا بُری چیز جہاں جہاں رکھی ہوتی ہے وہ کُھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح نورِ علم آدمی کے اندر کی اچھائی بُرائی کو پیدا نہیں کرتا بلکہ آدمی کے اندر کی اچھائی بُرائی سب کے سامنے کھول دیتا ہے۔

(۲) اِسی لئے تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ (تربیت) لازم ہے تاکہ دل ودماغ سے بُرائی اور پستی نکلے ورنہ اندیشہ ہے کہ آدمی علم دین کو مال اور شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالے گا۔ اور علم دین کو بھی رُسوا کرے گا۔

نہیں آپ کو خرچ اٹھانے کی ضرورت نہیں حکومت خرچ برداشت کرے گی میں نے دل میں کہا اور مجھے کیا چاہئے تھا، میں نے اسی لئے کہا تھا۔۔۔اس کے بعد میں نے کہا نہایت مبارک خیال ہے ہم ان کو تعلیم دیں گے۔اب ہماری ایک اور درخواست ہے، گیارہ لڑکے ہم آپ کے یہاں بھیجیں گے، اس لئے کہ آپ کے یہاں مختلف زبانوں کے مختلف کالج ہیں ، افغانستان میں نجات کالج خالص جرمنی زبان کا کالج ہے، استقلال کالج یہ خالص فرانسیسی زبان کا کالج ہے، کاکول پے طب یہ خالص ترکی زبان کا کالج ہے، اور انگریزی زبان کا مستقل کالج ہے، تو میں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ مبلغ جب تیار ہوں تو غیر ممالک میں جاکر تبلیغ کریں مگر زبان سے عاجز ہیں، آپ کے یہاں کالج ہیں تو گیارہ لڑکے آپ بھیجیں گے اور گیارہ لڑکے ہم بھیجیں گے کہ آپ انہیں زبان سکھلائیں، کہنے لگے ہم مستقل بندوبست کریں گے اور اپنے خرچ پر تعلیم دیں گے۔اور نصاب بھی مختصر مقرر کریں گے کہ زیادہ وقت بھی نہ لگے اور زبان میں مہارت پیدا ہو جائے۔ یہ ہمارا ان کا معاہدہ ہو گیا مگر وہ جنگ چھڑ گئی تو سب الٹ پلٹ ہو گیا۔

تو بات مجھے اس پر یاد آئی تھی کہ ذی استعداد تو پیدا ہوتے ہیں مگر استعداد ہی گھٹی ہوئی ہو تو اس کا کیا علاج، فکری طاقت، ہی کمزور ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں، تو زیادہ تر وہ آتے ہیں جو فکر کے پست ہیں (۱) اور جو بلند فکر ہے وہ ہزار میں ایک دو آتا ہے مگر جو آجائے تو وہ بلند ہو کر چل پڑتا ہے۔

---

(۱) مشہور ہے کہ کسی نے بھوکے آدمی سے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس نے جواب دیا چار روٹیاں۔ اگر دل و دماغ پر ایک ہی چیز مسلط ہو تو جمع تفریق کے ہر سوال کے جواب میں وہی چیز ظاہر ہوتی رہے گی اور وہ اس قلب و نظر کی تنگی اور فکری پستی کی علامت ہو گی۔اسی لئے اکابر کسی کو عالم دین کے منصب پر فائز کرنے سے پہلے اس بات کا بغور جائزہ لیتے تھے کہ یہ شخص علمِ دین کو سر بلند کرے گا یا اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے اسے استعمال کرے گا۔ اگر کسی کے بارے میں پستی کا ظن غالب ہوتا تو اس کی گردن میں علم دین کا قیمتی ہار نہیں ڈالا کرتے تھے۔(کما ورد المنع فی روایة ابن ماجة ولو بسند ضعیف) مشکوۃ ص ۳۴ کتاب العلم۔

جیسے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام" جو جاہلیت میں اونچا تھا وہ اسلام میں بھی آ کر اونچا رہے گا، جو وہاں نیچا تھا وہ یہاں بھی پست رہے گا، دین سب میں آجائے گا، مگر بلندی فکری خِلقی چیز ہے، یہی صورت یہاں بھی ہو رہی ہے، اب سوائے اس کے کہ لوگ محنت کریں، وعظ اور ترغیب ترھیب سے ہوتا نہیں ،آپ لاکھ وعظ کریں کہ بھائی تم آؤ نہیں آئیں گے، ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ وہ مجبور ہو کر علم دین سیکھنے کے لئے آئیں اور ادھر جھکیں جیسے عالمگیر نے کیا تھا۔

عالمگیر کے زمانے میں عام طور سے علماء بے چارے بے کس تھے، کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، لوگ دنیا داری کی طرف، عہدوں کی طرف متوجہ ہو گئے تو علم دین کوئی حاصل نہیں کرتا تھا۔ حکومت کے عہدے اور اقتدار نگاہوں میں تھے، رہ گئے بے چارے علماء، عالمگیر چونکہ خود عالم تھا، اسے احساس ہوا، اس نے نہ کوئی فرمان جاری کیا نہ کوئی نصیحت نامہ لکھا، ایک دن حکم دیا کہ ہم وضوء کریں گے فلاں والی ملک ہمیں وضو کرائے تو ان صاحب نے سات سلام کئے کہ بڑی عزت افزائی ہوئی، بادشاہ کو وضوء کرائیں گے، وہ آفتابہ لے کر پہنچے، عالمگیر نے کہا، وضوء میں سنتیں کتنی ہیں؟ واجبات کتنے ہیں؟ اب انہوں نے کبھی وضوء کیا ہو تو بتائیں، عالمگیر نے کہا: حیرت ہے، آپ ایک بڑے والی ملک ہیں ہزاروں پر حکمرانی کر رہے ہیں اور مسلمان ہیں، آپ کو یہ پتہ نہیں کہ وضوء میں فرائض کتنے ہیں؟ بس صاحب اتنا ان سے کہہ دیا۔۔۔ اگلے دن کہا کہ فلاں امیر ہمارے ساتھ روزہ افطار کریں، وہ افطار میں شریک ہوئے، تو اورنگ زیب نے کہا روزہ میں مفسدات کتنے ہیں؟ مکروہات کتنے ہیں ؟ انہیں کچھ پتا نہیں، تو کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کے والی اور تمہیں یہ پتہ نہیں؟۔۔۔ کسی سے کچھ اور پوچھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب مولویوں کی تلاش شروع ہو گئی کہ مسئلے معلوم کرو، اگر بادشاہ سلامت یونہی پوچھتے رہے تو بڑی تذلیل ہو جائے گی ہماری، صاحب مولوی کسی قیمت پر نہیں ملتے، مولویوں نے نخرے شروع کر دیئے کہ صاحب ہم پانچ سو سے کم تنخواہ نہیں لیں گے، ایک نے کہا ہزار سے کم نہیں لیں گے، انہوں نے کہا بھائی دو ہزار دے دیں گے مگر تم آؤ تو، سارے مولوی لگ گئے، تو وعظ تلقین سے کچھ نہ ہوتا، تدبیر تھی

ارباب اقتدار کی، تو اگر کوئی صورت ایسی بن جائے کہ حکومت ادھر توجہ کرکے ایسے قوانین بنادے کہ وہ مجبور ہوجائیں تب تو چلے گی یہ بات، محض وعظ سے نہیں چلے گی۔

سوال حضرت جو طلباء دینی مدارس سے نکلتے ہیں وہ نکلنے کے بعد متفرق ہوجاتے ہیں، متفرق ہوکر اپنی اپنی جگہ کام میں لگتے ہیں، بعض دینی کام میں لگ جاتے ہیں، بعض دنیوی مشاغل میں مصروف ہوجاتے ہیں، جو دینی کام کرتے ہیں وہ بھی متفرق طور پر کرتے ہیں، کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ ہر مدرسہ سے جو طلباء نکلیں وہ ایک خاص نظام کے تحت اجتماعی طور پر کام کریں؟ اور مدرسہ کی طرف سے انہیں وقتاً فوقتاً ہدایات ملتی رہیں، جو مختلف مسائل ملک میں پیش آتے رہیں۔ان کے بارے میں مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے اکابر کی جانب سے ان کو ہدایات جاری ہوتی رہیں، اس طرح وہ سارے کا سارا نظام لگا بندھا ہوگا، اور اس سے یہ فائدہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ طلباء اپنے مستقبل سے بھی مایوس نہ ہوں گے جب وہ ایک نظام کے تحت ہوں گے تو ان کی مدد بھی کی جاسکتی ہے، انہیں مساجد ومدارس میں بھی کام میں لگایا جاسکتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی، اس تجویز کے بارے میں جناب کی رائے کیا ہے؟

جواب یہ صحیح ہے ایسا ہونا بھی چاہئے مگر کس طرح سے ہو؟ تو دو قوتیں ہیں جن سے کسی ایک مرکز پر جمع کیا جاسکتا ہے، ایک تو قوت قہری کہ اقتدار ہاتھ میں ہو اور آپ ملک بھر میں کسی کو نمٹنے نہ دیں، حکمرانی کی قوت ہو تو یہ قوت قہری ہے۔

ایک قوت ارادت ہے کہ عقیدت مندی کسی شخصیت سے اتنی ہو کہ وہ اشارہ کرے تو سب اس کے اشارے پر چل پڑیں، اس وقت دونوں چیزوں کی کمی ہے، ایک کا تو فقدان ہے، قوت قہری تو ہے نہیں آپ کے ہاتھوں میں۔اب رہ گئی قوت ارادت اور قوت عقیدت اس میں خال خال افراد ملتے ہیں، بعض تو وہ ہیں کہ مدارس سے تعلق نہیں، شخصی طور پر لوگ ان کے عقیدت مند ہیں، اور مدارس میں بھی ہیں ایسے لوگ مگر خال خال۔۔۔۔تو جب تک کہ کوئی قوت نہ ہو جو مرکز سے ہٹنے نہ دے، خواہ قوت معنوی ہو یا مادی، اس کے بغیر یہ کام نہیں چل سکتا۔

آپ کے یہاں (پاکستان میں) جو کام شروع کیا گیا وفاق المدارس میں اس کی کیا صورت ہے؟

سوال وہ تو تمام مدارس کا ایک مجتمع نظام ہے، میری مراد یہ ہے کہ ہر مدرسہ اپنے طرز پر ایک نظام بنادے کہ اس کے مدرسہ سے جو طلبہ فارغ ہوں، وہ لگے بندھے نظام کے تحت اپنے مدرسہ سے وابستہ ہوں۔

جواب یہ فی الجملہ آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ سارے مدارس ایک نقطہ پر آئیں وہ تو مشکل ہے مگر سوائے اس کے کہ تحریک کی جائے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کے جو فوائد و منافع ہیں انہیں قلمبند کر کے انہیں سامنے رکھا جائے، جو مضرتیں پہنچ رہی ہیں وہ دکھلائی جائیں۔۔۔اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی خیر خواہی کر رہے ہیں، اپنی غرض پیش نہیں کر رہے ہے کہ اگر تم نے اس طرح طلباء کو مربوط کر لیا تو تمہارا ہی وقار اس میں بلند ہوگا، تمہاری ہی قوت اس میں زیادہ ہوگی۔۔۔۔ یہ تجویز ٹھیک ہے، توجہ دلائی جائے اور ذمہ داروں کو متوجہ کیا جائے۔۔۔۔ اب آج کل یہ دستور ہو گیا ہے کہ جو تجویز ہو پہلے عوام کو متوجہ کیا جائے یہ غلط ہے، خواص جن کے ہاتھ میں عوام ہیں انہیں توجہ دلائی جائے، عوام خود بخود آجائیں گے، مدارس کے لوگ ہیں یا با اثر شخصیتیں ہیں ان کو جمع کر کے تحریک کی جائے۔

سوال حضرت! یہ تو مدارس سے متعلق چند سوالات تھے، اب عام مسلمانوں سے متعلق ایک دو سوال، ایک تو یہ کہ سرزمین پاکستان میں قادیانیوں سے متعلق قرارداد (اسمبلی میں) پاس کی گئی ہے، اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے اور جناب کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب ہم اس بارے میں بیان جاری کر چکے ہیں اور اس میں بہت زیادہ سراہا گیا وہاں کے علماء کو بھی اور حکومت کو بھی۔ یہ بہت بڑا جرأت مندانہ اقدام ہے، جو حکومت پاکستان نے کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تو ہمارے ہی بزرگوں کا خواب تھا جس کی تعبیر ملی ہے، یہی جذبہ رکھتے تھے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کہ کسی طرح سے یہ التباس ختم

ہو کہ یہ مسلم نام سے کام کر رہے ہیں اور یہ تلبیس ہے، مگر انگریزوں کا زمانہ تھا، انہیں غیر مسلم کیسے قرار دیا جائے ، تو اللہ نے اب آ کر یہ خواب پورا کیا۔ ادھر تو مڈل ایسٹ کی ۱۳۲ انجمنوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ داخل ہی نہیں ہو سکتے ، اور ادھر پاکستان نے اس کے اوپر مہر کر دی، تو یہ عالمگیر مسئلہ بن گیا اور وہ جو ایک تلبیس اور التباس تھا وہ ختم ہو گیا۔۔۔اب رہیں قادیانی دنیا میں، ہزاروں باطل فرقے ہوئے ہیں لیکن اسلام کے نام پر کام نہیں کر سکتے ، تو میں نے پاکستانی اسمبلی کی قرارداد کی تائید میں بیان دیا، پھر کلکتہ اور متعدد جگہوں سے خطوط آئے کہ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت جگہوں میں لوگوں نے کہا کہ پھر یہ ہمارے قبرستانوں میں دفن نہیں ہو سکتے۔۔۔مگر قبرستانوں کی تولیت ہے گورنمنٹ کے ہاتھ میں تو یہ روک نہیں سکتے ، تو اب مسلمانوں میں یہ جذبہ ہے کہ ہم حکومت سے لڑیں گے، مطالبہ کریں گے اور فتاویٰ بھی دکھائیں گے کہ قبرستان میں حصے الگ الگ کر دو ان کا خط الگ متعین کرو، ہم اپنے پاس نہیں دفن کریں گے۔

اور بھی بہت سے مسائل سامنے آئے مثلاً پہلے قادیانی مسلمانوں کی مساجد میں آجاتے تھے، بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سو کے قریب قادیانی تائب ہو گئے۔

مجھے وہاں کے لوگوں نے لکھا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایک سوسائٹی قائم کریں، جس کے ذریعہ ان قادیانیوں کے شکوک وشبہات رفع کریں جو اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور ادھر آنا چاہتے ہیں۔۔۔تو میں نے انہیں لکھا کہ سوسائٹی ضرور قائم کرو، لیکن جماعتی طور پر یا مجمع میں رفع شکوک کا کوئی سلسلہ ہرگز نہ قائم کیا جائے، اس میں تلبیس ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ جب مجمع میں شکوک پیش کئے جائیں گے تو ردوکد میں اور بحث ومناظرہ میں انہیں رستہ نکل آئے گا پیر رکھنے کا۔۔۔ہاں انفرادی طور پر رفع شکوک کرو، لیکن مجالس عامہ منعقد ہوں رفع شکوک کرنے کے لئے یہ ہرگز نہ کیا جائے۔اس بات کو انہوں نے مانا، بہر حال اس کا (پاکستان اسمبلی کی قرارداد کا) بہت ہی اچھا اثر پڑا ہے ہندوستان پر۔(انٹرویو بمقام مدینہ منورہ ۱۹۷۴ء)

****